ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.3 (2026)
(July to September)

غالب اور اقبال کی شاعری میں "فرد" کے کردار اور امکانات کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Role and Potential of the Individual in the Poetry of Ghalib and Iqbal

خدیجہ نسرین
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر محمد زاہد عمر
اسسٹنٹ پروفیسر (ایڈجنکٹ)، شعبہ اُردو، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد

Khadija Nasreen
Ph.D Scholar, Department of Urdu, MY University, Islamabad
Dr. Muhammad Zahid Umar
Assistant Professor (Adjunct), Department of Urdu, MY University, Islamabad
zaheer.iull@pu.edu.pk

Abstract: The poetry of Mirza Asadullah Ghalib and Allama Muhammad Iqbal presents two distinctive yet interconnected perspectives on the individual, his existence, identity, struggle, and potential. Ghalib portrays the individual as a questioning, introspective, self-conscious, and often solitary being who confronts the uncertainties of existence and challenges conventional restraints. Iqbal, through the philosophy of *Khudi* (selfhood), transforms the individual into an active, purposeful, and creative force capable of shaping his destiny through self-awareness, action, courage, and moral strength. While Ghalib emphasizes existential questioning, imagination, individuality, and freedom, Iqbal stresses self-realization, continuous struggle, collective responsibility, and creative action. The comparative analysis reveals that both poets affirm the significance of individual consciousness, yet Ghalib's individual primarily seeks to understand existence, whereas Iqbal's individual strives to transform it.

Key words: Ghalib, Iqbal, Individual, Selfhood, Existence, Individuality, Freedom, Human Potential, Khudi

اُردو شعری روایت میں اسد اللہ غالب اور اقبال دو ایسے شعرا ہیں جنھوں نے فرد کی ذات، اس کی جدوجہد اور اس کے امکانات کو نہ صرف اپنے کلام کا مرکزی موضوع بنایا بلکہ اسے ایک فلسفہ حیات کی شکل دے دی ہے۔ غالب نے اپنی ذات کے کرب اور وجودی سوالات کو غزل کے قالب میں ڈھالا جبکہ اقبال بیسویں صدی کے مفکر شاعر ہیں جنھوں نے خودی کے فلسفے کے ذریعے فرد کو اس کے لامحدود امکانات سے روشناس کرایا اور اسے عمل اور تخلیق کی راہ دکھائی۔ اُردو شاعری میں فرد کا تصور ابتدا سے موجود رہا ہے مگر غالب سے پہلے یہ زیادہ تر عشق، فراق یا مذہبی عقیدت تک محدود تھا۔ غالب نے فرد کو کائنات کے سامنے کھڑا کر کے اس کے وجود کے بنیادی سوالات کو اجاگر کیا۔ اقبال نے اسی فرد کو ایک متحرک اور خود مختار اکائی میں تبدیل کر دیا۔ غالب کا فرد اکثر تنہا، استفہام میں گھرا ہوا اور کرب زدہ ہے جب کہ اقبال کا فرد باعزم، خود شناس اور مستقبل کی تعمیر کرنے والا ہے۔ دونوں کے ہاں فرد کی عظمت اس کی خود شناسی میں ہے۔ غالب کے ہاں یہ خود شناسی اکثر المیہ اور تحیر پہ ختم ہوتی ہے جبکہ اقبال کے ہاں یہ عمل پر منتج ہوتی ہے۔

غالب سے پہلے اُردو غزل میں فرد اکثر روایتی عاشق یا صوفی کے روپ میں نظر آتا تھا جو تقدیر، مذہب یا معاشرتی رسوم کے سامنے عاجز تھا۔ غالب نے اس تصور کو الٹ دیا۔ ان کے نزدیک کائنات فرد کے لیے بازیچۂ اطفال ہے۔ یعنی کھیل کا میدان۔ سلیمان کا تخت، مسیحا کے معجزے، صحرا اور دریا سب فرد کی نظر میں محض تماشا یا وہم ہیں۔ فرد خود بین اور خود آرا ہے کیونکہ اس کے سامنے آئینہ نما ایک بت بیٹھا ہے جو اس کی اپنی ذات کی عکاسی کرتا ہے۔ غالب کی شاعری میں فرد پیچیدہ وجودی حقائق کا سامنا کر رہا ہے۔ ان کا فرد ایک ایسے سماج میں زندہ ہے جسے دوام حاصل نہیں بلکہ ہر نیا دن اپنے ساتھ غیر یقینی کی کیفیت اور حیران کن مظاہر لے کر آتا ہے جو اس کے تحیر میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ اس پس منظر میں ان کا مشہور شعر ہے:

بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے(۱)

اس شعر میں فرد دنیا کے ظاہری جاہ و جلال کو بچوں کے کھیل کے برابر قرار دیتا ہے۔ سلیمان کا تخت اور مسیح کا اعجاز سب کچھ اس کے نزدیک محض نام اور وہم ہیں۔ غالب کا فرد وجود کی حقیقت کو وہم قرار دیتا ہے اور خود کو اس وہم سے بالاتر دیکھتا ہے۔ یہ فرد اپنی انفرادیت کا شدید احساس رکھتا ہے اور روایتی عقائد پر اپنی تشکیک کا اظہار کرتا ہے۔ غالب کے ہاں فرد کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا وجودی کرب ہے۔ غالب کا فرد وجود کے بنیادی سوالات سے دوچار ہے۔ "ہونا" خود ایک مصیبت ہے جو اسے ڈبو دیتی ہے۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو خدا ہی ہوتا۔ یعنی وجودِ مطلق محفوظ رہتا مگر فرد کی تخلیق نے اسے مشکلات میں مبتلا کر دیا وہ کہتے ہیں:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا(۲)

غالب کے متعدد اشعار اس بات کو عیاں کرتے ہیں کہ ان کے ہاں فرد اپنے وجود کی ماہیت اور غرض و غایت کے ادراک کے لیے کوشاں ہے۔ اس کا کلام متحیر کن ہے اور وہ کائنات میں اپنی ہستی کی حقیقت کا متلاشی ہے۔ ان کا فرد انسان کا نیا مقام دریافت کرتا ہے جہاں اس کے سامنے حقیقت کسی پردے میں پوشیدہ نہیں ہوتی۔ اس پس منظر میں مبشر حسن رقمطراز ہیں:

"غالب کی فکر ایک نیا مقام دریافت کرتی ہے۔ فرماتے ہیں: اے حسن تو یہ نہ جان کہ محض تو ہی اپنے راز کا محرم ہے۔ ہمیں پتہ ہے کہ تو اپنے اوپر پردہ ڈالتا ہے۔ وہ بھی تیرے ہی حسن کا جلوہ ہے۔ ہم تیرا سراغ اس پردہ سے لگا لیں گے۔ رفتہ رفتہ غالب کو یقین ہو جاتا ہے کہ حسن دوست اپنا جلوہ دکھانے کو مشتاق ہے۔ حسن ہی تو کائنات ہے اور ایک طرف کائنات اپنا جلوہ دکھانے کو تیار اور دوسری جانب غالب اس کے راز معلوم کرنے کے لیے بے چین ہیں۔"(۳)

اس سامنے ایک استفہامیہ فکر ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ گویا اس کا وجود خود اس کے لیے ایک معنوی سطح پر ایک بوجھ ہے۔ غالب کا فرد اپنی ہستی کو خدا کی ہستی کے مقابلے میں دیکھتا ہے اور اپنے ہونے کو ایک مسئلہ قرار دیتا ہے۔ یہ فرد تنہائی پسند بھی ہے:

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو(۴)

غالب کا فرد مکمل تنہائی کی خواہش کرتا ہے تاکہ اپنی ذات کے ساتھ خلوت میں رہ سکے۔ غالب کا فرد روایتی بندشوں سے آزاد رہنا چاہتا ہے۔ وہ خود دار ہے حتیٰ کہ عبادت میں بھی اس کی خودداری قائم رہتی ہے۔ وہ اپنی ذات کو گرا کر کسی انعام کے حصول پہ مائل نہیں۔ غالب کا فرد غلامی یا بندگی قبول کرتا ہے مگر اس میں بھی آزادہ اور خود بین رہتا ہے۔ وہ روایتی عبادت یا رسم کی پابندی کو مشروط قبول کرتا ہے غالب کہتے ہیں:

بندگی میں بھی آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا(۵)

غالب کے نزدیک انسان بننا خود ایک مشکل ترین امکان ہے۔ یہاں غالب وجودیت کے قریب نظر آتے ہیں۔ زندگی قید ہے، غم اس کا لازمی حصہ ہے۔ مگر یہ کرب فرد کو کمزور نہیں بناتا بلکہ اسے خود کو تراشنے کی قوت دیتا ہے۔ اس حوالے سے ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا(۶)

غالب کا فرد عبادت کے ساتھ ساتھ محبت میں بھی کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہتا۔ وہ یکتائی اور انفرادیت کے قائل ہیں۔ غالب کی اس یکتائی پسندی پر تبصرہ کرتے ہوئے افتخار احمد عدنی لکھتے ہیں:

"غالب کہتے ہیں کہ ہم جیسے رندان ہزار شیوہ کے لیے خدا کی عبادت کرنا کیا مشکل ہے، ہم تو اس پر تیار تھے لیکن ہمارے خود آرا محبوب نے یہ گوارا نہ کیا جو جبین اس کے سنگ در پہ جھکتی ہے وہ کہیں اور سجدہ ریز ہو۔ ہمارے محبوب کی نازیکتائی نے ہمیں اشتراک جبہ سائی سے باز رکھا ورنہ ہمیں اس میں کوئی عذر نہیں تھا۔"(۷)

غالب رسم کی پابندی، تقلید اور غلامی کو مکمل طور پر رد کرتے ہیں۔ وہ فرہاد کی مزدوری اور خسرو کی عشرت گاہ دونوں کو رد کرتے ہوئے اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک خضر کی پیروی بھی ضروری نہیں کیونکہ ہر فرد اپنا راستہ خود بنا سکتا ہے۔ بقول غالب:

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا(۸)
لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے(۹)

غالب کا فرد تخیل کی پرواز سے کائنات کو بدل سکتا ہے۔ اقبال نے بعد میں کہا کہ غالب کے وجود نے فکرِ انسان پر یہ روشن کیا کہ مرغِ تخیل کی رسائی کہاں تک ہے۔ غالب خود اپنے اشعار کو غیب سے آنے والے مضامین قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں فرد کی تخلیقی صلاحیت الہامی قرار پاتی ہے۔ وہ نہ صرف موجود حقیقت کو دیکھتا ہے بلکہ ممکنہ حقائق کو بھی تخلیق کرتا ہے۔ غالب اس تخیل کو اس طرح اپنے اشعار میں ڈھالتے ہیں:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالبؔ سریر خامہ نوائے سروش ہے(۱۰)

غالب کا فرد تمنا اور امکان کی حدوں سے آگے نکلنے کا مشتاق ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی تمنا کو امکانات کی قید سے نکال کر ہی کائنات کی وسعتوں کا شارح بنا سکتا ہے۔ اس پس منظر میں سید مشکور حسین یاد لکھتے ہیں:

"غالب کا پہلا کام یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے امکانات کو وحدت کے حضور میں لا کر دشت امکاں کی بے حد و بے حساب ترکیب وضع کی اور پھر اس کو یعنی دشت امکاں کو انسان کے ہمہ وقت رواں دواں دو قدموں کے نیچے نہیں بلکہ ان دو قدموں میں سے صرف ایک ہی کے نیچے رکھا ہے۔۔۔۔ گویا انسان کی تمنا امکانات سے بھی آگے نکل گئی ہے لیکن خود انسان کو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمنا کا تو تمام تر تعلق امکانات سے ہے ۔"(۱۱)

غالب کے فرد میں تمنا اور آرزو کی لامتناہی وسعت ہے۔ ہزاروں خواہشیں ہیں، کئی پوری ہو جاتی ہیں مگر پھر بھی کم پڑتی ہیں۔ یہی تمنا فرد کے امکانات کے در کھولتی ہے۔ تخیل کی پرواز، خودی کی تعمیر اور روایتی حدود سے آگے بڑھنے کی صلاحیت۔ فرد قطرہ بھی ہے اور دریا بھی۔ وہ منصور کی تنک ظرفی (انا الحق کا کھلم کھلا دعویٰ) کی تقلید نہیں کرتا مگر دل میں جانتا ہے کہ وہ بھی حقیقت میں دریا ہے:

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں(۱۲)
عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا(۱۳)

غالب کے ہاں فرد کی خواہشات لامحدود ہیں۔ ان کا مشہور شعر ہے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے(۱۴)

غالب کا یہ شعر فرد کی بے پایاں تمناؤں کی ترجمانی کرتا ہے۔ خواہشات اتنی شدید ہیں کہ ہر ایک پر جان نکل جائے مگر پھر بھی کم محسوس ہوتی ہیں۔ غالب کا فرد عشق میں بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھتا ہے اور بے خودی کو محض ایک حالت سمجھتا ہے۔ انہیں اس بات کا ادراک ہے کہ بے خودی بے سبب نہیں بلکہ کسی گہری حقیقت کی پردہ داری ہے۔ غالب کا فرد کبھی بھی مکمل فنا نہیں ہوتا بلکہ اپنی ذات کے راز کو محفوظ رکھتا ہے۔ ان کے بقول:

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے(۱۵)

اقبال کی شاعری میں فرد کا کردار غالب سے بالکل مختلف اور زیادہ مثبت ہے۔ اقبال کا مرکزی فلسفہ خودی ہے۔ خودی سے مراد غرور یا انانیت نہیں بلکہ احساس نفس، تعین ذات، خود شناسی اور اپنی باطنی قوت کا عرفان ہے۔ اقبال خودی کو زندگی کا راز قرار دیتے ہیں:

خودی　　کیا　　ہے　　راز　　درون　　حیات
خودی　　کیا　　ہے　　بیداری　　کائنات(۱۶)

اقبال کی شاعری میں فرد کائنات کا نظام چلانے والی بنیادی قوت ہے۔ اقبال فرد کو ایک ایسی آزاد اور متحرک اکائی کے طور پر دیکھتے ہیں جس کے اندر کائنات کی تمام تر توانائیاں پوشیدہ ہیں۔ ان کے نزدیک انسان دنیا میں کسی جبر کا شکار ہو کر نہیں آیا بلکہ وہ اپنے عمل اور صلاحیتوں کے ذریعے اپنے ماحول اور حالات کو تبدیل کرنے کی مکمل قدرت رکھتا ہے۔ اس حوالے سے اقبال کا ایک شعری نمونہ دیکھیے:

اپنی　اصلیت　پہ　قائم　تھا　تو　جمیعت　بھی　تھی
چھوڑ　کر　گل　کو　پریشاں　کارواں　بو　ہوا

اقبال اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ فرد کے امکانات کی اولین شرط اس کا احساس ذات اور اپنی درونی صلاحیتوں کا ادراک ہے۔ انسان جب تک اپنی حقیقت اور مرتبے سے ناواقف رہتا ہے تو وہ عام مادی اشیا کی طرح حالات کے دھارے پر بہتا رہتا ہے۔ لیکن جیسے ہی اس کے اندر خود شناسی کا شعور بیدار ہوتا ہے وہ اپنی زندگی کا مقصد متعین کرتا ہے اور کائنات میں اپنا ایک الگ اور منفرد مقام بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بقول اقبال:

اپنے　من　میں　ڈوب　کر　پا　جا　سراغِ　زندگی
تو　اگر　میرا　نہیں　بنتا　نہ　بن،　اپنا　تو　بن(۱۸)

اقبال کے اس تصور عمل پیہم پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

"اقبال کے نزدیک زندگی جہد پیہم کا نام ہے۔۔۔۔وہ اکثر قوت کی ضرورت اور قوی انسان کی اہمیت کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تخلیقی عمل میں مصروف گنہگار بے حس پاک بازوں سے بہتر ہیں۔"(۱۹)

اقبال کے نزدیک فرد کی سب سے بڑی ذمہ داری کائنات کی تسخیر اور اس کی بہتری میں اپنا حصہ ڈالنا ہے۔ وہ مادی دنیا سے فرار یا گوشہ نشینی کے سخت مخالف ہیں اور فرد کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ فطرت کے قوانین کو سمجھے، سائنسی و عقلی علوم حاصل کرے اور دنیا کی ساخت کو زیادہ بہتر اور کارآمد بنائے۔ انسان صرف کائنات کا تماشائی نہیں بلکہ اس کا متحرک معمار ہے۔

عروجِ　آدمِ　خاکی　سے　انجم　سہمے　جاتے　ہیں
کہ　یہ　ٹوٹا　ہوا　تارہ　مہِ　کامل　نہ　بن　جائے(۲۰)

اقبال کے فکر میں عمل پیہم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انسان کے تمام تر امکانات اور صلاحیتیں صرف اسی وقت حقیقت کا روپ دھار سکتی ہیں جب وہ مسلسل جدوجہد اور سخت کوشی کو اپنا شعار بنائے۔ سکون اور جمود انسان کی روحانی اور عقلی موت کے مترادف ہیں جبکہ مسلسل تحرک اور مشکلات کا سامنا کرنا اس کے کردار کو فولاد کی طرح مضبوط بناتا ہے۔ فرد کی ساخت میں عقل اور

جذبے کا توازن انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ عقل انسان کو زندگی کی مادی ضرورتوں، تدابیر اور سائنسی حقائق تک رسائی دیتی ہے جبکہ عشق یا اعلیٰ انسانی جذبات اسے مقصدیت، بے باکی اور نڈر تا عطا کرتے ہیں۔ جب فرد کا فکر صرف مادی سود و زیان سے بلند ہو کر کسی اعلیٰ مقصد سے وابستہ ہو جاتا ہے تو اس کے امکانات کی سرحدیں غیر محدود ہو جاتی ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی(۲۱)

اقبال کے نزدیک آزادی اور خود مختاری فرد کی شخصیت کی بالیدگی کے لیے لازمی جزو ہیں۔ اقبال کے ہاں غلامی اور معاشی یا فکری محتاجی انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتی ہے۔ ایک آزاد ماحول میں پرورش پانے والا ذہن ہی نئے خیالات، نئی اختراعات اور نئے جہانوں کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ اس لیے فرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ فکری اور معنوی آزادی کو ہر قیمت پر برقرار رکھے۔ بقول اقبال:

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں(۲۲)

اقبال فرد کے مثالی کردار پر زور دیتے ہیں۔ ان کا فرد کامل ہے اور دنیا کی آلائشوں سے پاک نڈر اور استقامت پسند ہے۔ اقبال کے اس مثالی فرد کے اوصاف کی نشاندہی کرتے ہوئے سید آصف جاہ جعفری لکھتے ہیں:

> "علامہ اقبال چاہتے ہیں کہ جوانان ملت صاحب کردار بھی ہوں اور صاحب فکر بھی۔ ایمان ان کا شعار ہو اور علم ان کا افتخار، خودی ان کا اعزاز ہو اور فقر ان کا انداز، توحید خداوندی ان کا ایمان ہو اور عشق سرور کائنات ﷺ ان کی پہچان، قلندرانہ ادائیں ان کا جمال ہوں اور سکندرانہ جرأت ان کا جلال، ان کے افکار بھی پاکیزہ ہوں اور اطوار بھی۔"(۲۳)

اقبال اس بات پر یقین محکم رکھتے ہیں کہ فرد کی انفرادیت کی پرورش کے ساتھ ساتھ اس کا اجتماعی نظام کے ساتھ جڑا ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ انسان اپنی تمام تر منفرد صلاحیتوں کے باوجود سماج سے کٹ کر تنہا کوئی بڑا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ معاشرہ فرد کو ایک تاریخ، تہذیب اور اخلاقی فریم ورک فراہم کرتا ہے جبکہ فرد اپنے انفرادی کمالات سے معاشرے کی اجتماعی زندگی کو توانائی اور نکھار عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال اپنی شاعری میں جابجا فرد کو ملت کا جزو بننے کی تلقین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں(۲۴)

انسان کی ایک اور اہم خصوصیت اس کا ماضی کے تجربات سے سبق سیکھ کر مستقبل کی تعمیر کرنا ہے۔ فرد کے امکانات صرف موجودہ لمحات تک محدود نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے ماضی کی روایات کو بنیاد بنا کر ایک روشن اور متوازن مستقبل کا منصوبہ تیار کر سکتا ہے۔ یہ تاریخی شعور فرد کو وقت کے ساتھ بہنے کے بجائے وقت کی سمت بدلنے کا حوصلہ دیتا ہے۔

آئین نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اقبال انسان کی تکمیل ذات کے خواہاں ہیں۔ وہ کائنات کی اس عظیم تخلیق کی موجودہ تنہائی اور کرب سے سخت رنجیدہ ہیں۔ فتح محمد ملک علامہ اقبال کے فرد کی تکمیل ذات کی خواہش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "جب اقبال خدا سے اپنی ذات کی تکمیل کی آرزو کرتے ہیں تو ان کے ہاں تخلیقی شادابی اور فکری رعنائی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔۔۔ اور کبھی انھیں اپنی اور اپنے عظیم انسان کی تنہائی اور بے چارگی کا احساس ستاتا ہے اور ان کی آواز میں کرب اور سرشاری، رسائی اور نارسائی کے سارے سریک جان ہو جاتے ہیں۔"(۲۶)

اقبال کی شاعری میں اس بات کا درس ہر جگہ ملتا ہے کہ اخلاقی بنیادوں پر استوار کردار ہی فرد کو واقعی بااثر بناتا ہے۔ محض عقلی یا مادی پیش رفت انسان کو ظالم یا خود غرض بنا سکتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ رحم، انصاف، سچائی اور ایثار جیسے اخلاقی اوصاف موجود نہ ہوں تو معاشرہ کبھی بھی مثبت سمت میں سفر نہیں۔ اقبال کا مطلوبہ فرد وہی ہے جو طاقتور ہونے کے باوجود عاجز ہو اور اپنی صلاحیتوں کو انسانیت کی بہبود اور خیر کی اشاعت کے لیے استعمال کرے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا(۲۷)

اقبال انسان کو کائنات کی تقدیر کا معمار اور خالق حقیقی کا نائب قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی ارتقا کا سفر کبھی ختم نہ ہونے والا عمل ہے اور ہر حاصل شدہ منزل اگلی منزل کا پتہ دیتی ہے۔ اگر انسان اپنے اندرونی جذبے اور اخلاقی قوت کو بیدار رکھے تو وہ کسی بھی دور کے چیلنجز کا مقابلہ کر کے ایک نیا اور بہتر عالم تخلیق کر سکتا ہے۔ اقبال فرد کو عمل کی تلقین کرتے ہیں۔ اقبال کا فرد شاہین ہے جو اونچی پرواز کرتا ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں(۲۸)

غالب اور اقبال کی شاعری میں فرد کے کردار کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ غالب اور اقبال دونوں فرد کی انفرادیت کے قائل ہیں۔ غالب کا فرد استفہام میں گھرا ہوا ہے جبکہ اقبال کا فرد جواب تلاش کرتا ہے اور عمل کرتا ہے۔ غالب کا فرد وجود کو وہم قرار دیتا ہے۔ اقبال اسی وجود کو خودی کی تخلیق قرار دیتے ہیں۔ غالب کا فرد تنہا ہے، اقبال کا فرد ملت سے جڑا ہوا ہے۔ غالب کا فرد بے خودی میں کھو جاتا ہے مگر اپنی ذات کا احساس برقرار رکھتا ہے۔ اقبال بے خودی کو خودی کی تکمیل قرار دیتے ہیں۔ غالب کے ہاں فرد کے امکانات زیادہ تر ذہنی اور تخیلاتی ہیں۔ اقبال کے ہاں امکانات عملی ہیں۔ فرد تقدیر بدل سکتا ہے، قوم بنا سکتا ہے، دنیا تبدیل کر سکتا ہے۔ غالب کا فرد المیہ کا شکار ہے، اقبال کا فرد فتح کا حامل۔ اقبال خودی کو پرورش کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ خودی عشق سے مضبوط ہوتی ہے اور عمل سے زندہ رہتی ہے۔ اقبال کے نزدیک فرد کو اپنے من میں ڈوبنا چاہیے، یقین محکم رکھنا چاہیے اور عمل پیہم کرنا چاہیے۔ غالب کے ہاں فرد اکثر ناکام محسوس ہوتا ہے مگر اس ناکامی میں بھی عظمت ہے۔ اقبال کے ہاں ناکامی خودی کی موت ہے۔ اقبال فرد کو بیدار کرتے ہیں کہ وہ اپنی خودی کو زندہ رکھے۔

غالب کا فرد نہ تو مکمل طور پر روایتی صوفی ہے اور نہ ہی محض عاشق۔ وہ ایک آزاد، خود بین، سوال کرنے والا، باغی اور امکانات تلاش کرنے والا انسان ہے جو کائنات کو اپنی ذات کے آئینے میں دیکھتا ہے۔ اس کی شاعری فرد کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ اپنے

معاشرے بلکہ ساری کائنات کو صرف اپنی کسوٹی پر پرکھے، رسموں کی غلامی قبول نہ کرے، اور حتیٰ کہ بندگی میں بھی آزادی برقرار رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کو جدیدیت اور انفرادیت پسندی کا پیشرو سمجھا جاتا ہے۔ ان کا کلام فرد کے کردار کو عظمت بخشتا ہے اور اس کے لامحدود امکانات تمنا، تخیل، خودی، بغاوت اور وجودی آزادی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اسد اللہ غالب، مرزا، دیوان غالب، کلاسک، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۲۰۰

۲۔ ایضاً، ص:۳۵

۳۔ مبشر حسن، اسد اللہ غالب؛ کائنات میں انسان کا مقام، لائن پریس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:xxvi

۴۔ اسد اللہ غالب، مرزا، دیوان غالب، کلاسک، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۱۳۰

۵۔ ایضاً، ص:۲۷

۶۔ ایضاً، ص:۲۱

۷۔ افتخار احمد عدنی، غالب شناسی کی کرشمے، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۷۷

۸۔ اسد اللہ غالب، مرزا، دیوان غالب، کلاسک، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۷

۹۔ ایضاً، ص:۱۵۶

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۶۶

۱۱۔ مشکور حسین یاد، سید، غالب کا ذوق الہیات، نثار آرٹ پریس، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص:۱۴۲۔۱۴۳

۱۲۔ اسد اللہ غالب، مرزا، دیوان غالب، کلاسک، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۱۰۰

۱۳۔ ایضاً، ص:۴۹

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۱۰

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۶۱

۱۶۔ محمد اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:۴۵۵

۱۷۔ ایضاً، ص:۲۱۷

۱۸۔ ایضاً، ص:۳۶۷

۱۹۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، منتشر خیالات اقبال، بک کارنر، جہلم، ۲۰۱۶ء، ص:۳۵

۲۰۔ محمد اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:۳۵۰

۲۱۔ ایضاً، ص:۳۱۰

۲۲۔ ایضاً،:۴۶۰

۲۳۔ آصف جاہ جعفری، سید، مفکر پاکستان علامہ اقبال، سوہنی دھرتی پبلشرز، ملتان، ۲۰۰۷ء، ص:۱۲۵۔۱۲۶

۲۴۔ محمد اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:۲۱۷

۲۵۔ ایضاً، ص:۲۰۲

۲۶۔ فتح محمد ملک، آتش رفتہ کا سراغ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، ص:۱۲۲۔۱۲۳

۲۷۔ ایضاً، ص:۳۰۰

۲۸۔ ایضاً، ص:۳۸۹

Reference Roman Urdu Script:

1. Asadullah Ghalib, Mirza, Deewan-e-Ghalib, Classic, Lahore, 2001, p. 200.
2. Ibid., p. 35.
3. Mubashir Hasan, Asadullah Ghalib: Kainat Mein Insan Ka Maqam, Line Press, Lahore, 2005, p. xxvi.
4. Asadullah Ghalib, Mirza, Deewan-e-Ghalib, Classic, Lahore, 2001, p. 130.
5. Ibid., p. 27.
6. Ibid., p. 21.
7. Iftikhar Ahmad Adni, Ghalib Shanasi Ke Karishme, Maktaba Jadeed Press, Lahore, 2007, p. 77.
8. Asadullah Ghalib, Mirza, Deewan-e-Ghalib, Classic, Lahore, 2001, p. 7.
9. Ibid., p. 156.
10. Ibid., p. 166.
11. Mashkoor Hussain Yaad, Syed, Ghalib Ka Zauq-e-Ilahiyat, Nisar Art Press, Lahore, 1997, pp. 142–143.
12. Asadullah Ghalib, Mirza, Deewan-e-Ghalib, Classic, Lahore, 2001, p. 100.
13. Ibid., p. 49.
14. Ibid., p. 210.
15. Ibid., p. 161.
16. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 2006, p. 455.
17. Ibid., p. 217.
18. Ibid., p. 367.
19. Javed Iqbal, Dr., Muntashir Khayalat-e-Iqbal, Book Corner, Jhelum, 2016, p. 35.
20. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 2006, p. 350.
21. Ibid., p. 310.
22. Ibid., p. 460.
23. Asif Jah Jafri, Syed, Mufakkir-e-Pakistan Allama Iqbal, Sohni Dharti Publishers, Multan, 2007, pp. 125–126.
24. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 2006, p. 217.
25. Ibid., p. 202.
26. Fateh Muhammad Malik, Aatish-e-Rafta Ka Suragh, National Book Foundation, Islamabad, 2013, pp. 122–123.
27. Ibid., p. 300.
28. Ibid., p. 389.